یہ عزم کر لینا چاہئے کہ ہم نے بقایوں کو ادا کرنا اور سال رواں کا بجٹ پورا کرنا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍جنوری ۱۹۷۱ء بمقام مسجد مبارک ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:-

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (الانفال: ۲۹)

حضور انور نے فرمایا۔ گذشتہ جمعہ کے روز سے ہی مجھے انفلوئنزا کے آثار شروع ہو گئے تھے بعد میں یہ شدت اختیار کر گیا تین دن تک تو ناک اور آنکھوں سے ہر وقت ہی پانی بہتا رہا اور اس سے بہت ہی تکلیف رہی اب بھی گو اللہ تعالیٰ کے فضل سے پہلے سے آرام ہے لیکن بیماری اور بیماری کی وجہ سے ضعف کے کچھ آثار باقی ہیں۔

احبابِ جماعت کو ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا تھا اس لئے یہاں آ گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس حد تک مجھے توفیق دی اپنی ذمہ داری کو نباہوں گا۔ سورۂ انفال کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں عطا کی ہیں جن میں سے مال و دولت کی نعمت بھی ہے اور بچے بچیوں کی نعمت بھی ہے۔ یہ اس لئے عطا کی ہے کہ اُس سے وہ ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے۔

اس دُنیا کے امتحانات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے (یعنی جو انسان کی عقل اور فطرت نے سمجھا اور سمجھایا ہے وہ یہ ہے) کہ انسانی زندگی میں امتحان

ایک نہیں ہوتا بلکہ درجہ بدرجہ مختلف امتحانات میں سے انسان کو گذرنا پڑتا ہے مثلاً ایک بچہ ہے وہ پہلے کچی پہلی کا اور پھر پکی پہلی کا امتحان دے کر دوسری، تیسری، چوتھی اور اسی طرح دسویں جماعت تک پہنچتا ہے۔ پھر دسویں جماعت کے امتحان کے بعد ایف اے یا ایف ایس سی کا امتحان دیتا ہے۔ پھر علوم کے راستے مختلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کچھ طلباء بی اے تک پھر ایم اے تک اور پھر ایم اے کے بعد پی ایچ ڈی تک جاتے ہیں کچھ انجینئرنگ میں جاتے ہیں اور مختلف امتحانات میں گذرتے ہیں۔ کچھ طب کی طرف جاتے ہیں اور ڈاکٹر بننے کی کوشش کرتے ہیں انہیں مختلف قسم کے امتحانوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ کچھ کو بعد میں نوکریاں مل جاتی ہیں پھر وہ ڈیپارٹمنٹل امتحانات میں سے گذرتے ہیں۔

جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہر امتحان کے بعد ایک تو انعام مقرر کیا جاتا ہے یعنی کامیابی ملتی ہے اور دوسرے ایک نئے اور بڑے امتحان کا دروازہ کھلتا ہے۔ پہلی کے بعد دوسری کا امتحان ایک نیا امتحان ہے اور یہ پہلی کے امتحان سے بڑا ہے اسی طرح دسویں کے بعد ایف۔ اے اور بی اے اور اس کے بعد ایم اے اور پھر پی ایچ ڈی کے جو امتحانات ہیں، پہلے امتحان میں کامیابی کی شکل میں انعام بھی ملا اور ایک نئے امتحان کا دروازہ بھی کھلا اور نئے امتحان کا دروازہ ناکامی کی صورت میں نہیں کھلتا۔ کوئی شخص دسویں جماعت میں فیل ہو کر انٹرمیڈیٹ یا ایف اے، ایف ایس سی میں شامل نہیں ہو سکتا۔ یہ دروازہ اس کے اوپر بند ہو گیا اسی طرح جو بی اے میں فیل ہوتا ہے اس پر ایم اے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جو بی ایس سی میں فیل ہو جاے اس پر اگلا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

یہی حال (کچھ اس سے ملتا جلتا) روحانی دُنیا کا ہے۔ اسی لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا ہر قدم پہلے سے آگے بڑھتا ہے مومن کی زندگی کا ہر سال اگر وہ کامیاب ہوتا رہے اور اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے تو پہلے سال سے زیادہ بہتر ہوتا ہے اور زیادہ قربانیوں اور زیادہ امتحانات میں سے گزرنے اور ان انعامات سے زیادہ انعامات کا وارث بننے کا سال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں جو دولت دی ہے یا میں نے تمہیں جو اولاد دی

ہے، یہ تمہارے آخری امتحان کا نتیجہ نہیں ہے کہ انعام مل گیا اور اب تم نے تسلی پکڑ لی۔ آخری امتحان کا نتیجہ تو خاتمہ بالخیر ہونے کے بعد انسان کو ملتا ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حسن واحسان کے جلوے بڑی وضاحت کے ساتھ مشاہدہ کرتا اور جو محبت اور عشق کا سرور ہے وہ صحیح اور حقیقی معنے میں اسی وقت اس کو ملتا ہے۔

اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو سہارا دینے کے لئے اور اس کی مدد کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک قربانی دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنے پیار کا بھی اظہار کرتا ہے اور اپنے حُسن واحسان کے جلوے بھی اسے دکھاتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ سلوک، انسانی فطرت اور اس کی جدوجہد کے نتیجہ میں اسے جو کامیابی حاصل ہوتی ہے اس کے مطابق ہوتا ہے لیکن وہ وہاں کھڑا نہیں رہتا یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ اگرچہ میں نے تمہیں روحانی ترقیات کی طاقتیں تو دی تھیں لیکن تم نے ایک امتحان پاس کر لیا اب تمہیں مزید کچھ نہیں ملے گا۔ مزید امتحان کا دروازہ کھولا جانا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اس کے بغیر تو زندگی کا کوئی لطف نہیں اس ورلی زندگی کے متعلق بھی ہمارے سامنے یہی تصویر رکھی گئی ہے اور اُخروی زندگی کے متعلق بھی یہی تصویر رکھی گئی ہے۔

بعض ناسمجھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب انسان جنت میں جائے گا تو گویا اس کو سب کچھ مل گیا۔ ابھی سب کچھ نہیں ملا کیونکہ سب کچھ ملنے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے اوپر مزید ترقیات کے دروازے بند ہو گئے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے کہ اُخروی زندگی میں ارتقاء کا غیر متناہی دور ہوگا۔ البتہ وہاں دُنیوی رنگ کے امتحان نہیں ہوں گے۔ وہ تو دُنیا ہی اور رنگ کی ہے جس کے متعلق بتانے والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بتایا ہے کہ نہ تمہاری آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے، نہ تمہارے کان اسے سُن سکتے ہیں اور نہ تمہاری عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ مثالوں میں ہمیں سمجھایا گیا ہے اور وہ یہی ہے کہ وہ دار ابتلاء نہیں ہے۔ ہماری یہ زندگی جو ابتلاء اور امتحانوں کی زندگی ہے اس سے تو وہ مختلف ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہاں ترقیات کے یعنی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو پہلے سے بھی زیادہ حاصل کرنے کا امکان نہیں ہے البتہ کسی طریق پر انسان زیادہ

سے زیادہ انعامات حاصل کرتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے پیار کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا رہے گا، اس کا ہمیں پتہ نہیں لیکن ہمیں یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی یہی طریق رکھا ہے کہ آج (گذری ہوئی) کل سے بہتر، اور آنے والی کل آج سے بہتر ہوگی۔ ویسے حالات اور مخلوق کے لحاظ سے زمانہ کی شکل بھی بدل جاتی ہے۔ اس دُنیا میں بھی انسان کا زمانے کے متعلق تصور اور اُس کیڑے کا تصور جس کی زندگی چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتی مختلف ہوتا ہے۔ کیڑے کا تصور کیا ہے؟ اس کا تو ہمیں پتہ نہیں۔ لیکن ہماری عقل کہتی ہے کہ وہ بہرحال مختلف ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی جو ہر وقت اپنے کام میں لگی رہتی ہے، اس کی ساری زندگی ۴۵ اور ۶۰ دنوں کے درمیان ہوتی ہے اس سے زیادہ اس کی عمر نہیں ہوتی۔ غرض ہر شہد کی مکھی اپنی پیدائش سے ۴۵ اور ۶۰ دن کے درمیان کام کرتے ہوئے مر جاتی ہے اور یہ ہمیں بہت سارے سبق دیتی ہے جو اس وقت میرے مضمون کا حصہ نہیں۔ اسی طرح شہد کی مکھیوں کی ماں، جو ان کی ''ملکہ'' کہلاتی ہے، اس کی عمر ۴ اور ۵ سال کے درمیان ہوتی ہے۔ اب یہ وقت کا تصور دونوں کے لئے بڑا مختلف ہوگا۔

اگر ہم شہد کی مکھیوں پر غور کریں اور اپنی عقل سے کام لیں تو پتہ لگتا ہے کہ ایک کو تو بڑی جلدی پڑی ہوتی ہے کہ وہ ۴۵ دن میں زیادہ سے زیادہ کما لے مثلاً ایک شہد کی مکھی جب ایک خاص عمر میں شہد اکٹھا کرنے کے لئے جاتی ہے تو وہ صبح سے شام تک اپنے کام میں لگی رہتی ہے۔ اُس پر ایک جنونی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ ایک دن میں شاید ہزار ہا میل کا سفر کرتی ہے۔ جاتی ہے آتی ہے پھولوں کا رس چھتے میں رکھتی ہے۔ پھر جاتی ہے اور اس طرح وہ چکر لگا رہی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ میری چھوٹی سی زندگی ہے میں اس میں زیادہ کماؤں۔ یہ کیفیت انسان میں بھی پیدا ہونی چاہئے بہتوں میں ہوتی ہے اور بہتوں میں نہیں ہوتی۔

دوسری طرف شہد کی مکھیوں کی جو ملکہ ہے اسے یہ دھڑکا لگا ہوا ہوتا ہے کہ کہیں ۴۵ دن کے بعد میرا چھتہ مکھیوں سے خالی نہ ہو جائے۔ اس واسطے وہ ایک ایک دن میں دو دو ہزار انڈے دے دیتی ہے اور یہ اس کے اپنے وزن سے اڑھائی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی زندگی کے لحاظ سے ایک لگن لگائی ہوتی ہے۔

بہرحال ہماری عقل کہتی ہے کہ مکھیوں میں وقت کا ایک احساس پایا جاتا ہے گو مکھی کا جو احساس ہے وہ تو ہمیں معلوم نہیں ہوسکتا لیکن جب ہم اس کی زندگی پر غور کرتے اور اس کا مطالعہ کرتے رہیں تو ہماری عقل اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ اسے وقت کا احساس اور قسم کا ہے اور ہمیں وقت کا احساس اور قسم کا ہے اُخروی زندگی میں وقت کا احساس اور قسم کا ہوگا ہمیں نہیں پتہ کہ وہ احساس کیا ہے؟ لیکن جو بھی احساس ہوگا، اس میں ایک وقت کے بعد جو دوسرا وقت آئے گا، وہ پہلے سے بہتر ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے قرب کے درجات غیر محدود ہیں اس لئے انسان کی ترقیات کے درجات بھی غیر محدود ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ اور انسان میں اتنا بُعد ہے کہ وہ بُعد تو پاٹا نہیں جا سکتا لیکن انسان اللہ تعالیٰ کے قریب سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

میں یہاں کی اس مادی دُنیا کا ذکر کر رہا ہوں۔ ہر سال خدا تعالیٰ کے بندے ایک نئے امتحان میں سے گذرتے ہیں اور ہر سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے کالج کے ایم اے کی کلاسز کی طرح قریباً سارے ہی پاس ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس امتحان کی کامیابی پر اگرچہ ایک انعام بھی ملتا ہے لیکن یہ کامیابی ایک نئے امتحان اور ایک بڑے انعام کا دروازہ بھی کھولتی ہے۔ جس نئے امتحان کا دروازہ کھولا جاتا ہے وہ پہلے سے بڑھ کر سخت اور مشکل ہوتا ہے۔ وہ زیادہ محنت طلب ہوتا ہے یا مذہبی اصطلاح میں کہیں گے کہ اس کے لئے انسان کو زیادہ مجاھدہ اور زیادہ جہاد کرنا پڑتا ہے اسی واسطے آپ اپنی (مراد جماعت احمدیہ کی یعنی میری اور آپ کی جو زندگی ہے بحیثیت جماعت) اس زندگی پر غور کریں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا یہ فضل نظر آتا ہے کہ جماعت احمدیہ ہر سال پہلے سال سے ہر لحاظ میں زیادہ ترقی کرتی ہے لیکن میں اس وقت ہر لحاظ کی بات نہیں کروں گا۔ صرف مالی قربانی کی بات کروں گا۔

میں نے پہلے بھی ایک موقعہ پر بتایا تھا کہ ۱۹۴۴ء تک بیرون پاکستان کی جماعتوں کے چندے یعنی مالی قربانی قریباً صفر تھی۔ استثنائی طور پر شاید آپ کو کہیں نظر آجائے تو آجائے ورنہ صفر تھی چنانچہ بیرون پاکستان کی احمدی جماعتوں نے پہلی بار ۱۹۴۵ء میں مالی قربانی دینی شروع کی یعنی پہلی بار ان کی مالی قربانی ۱۹۴۵ء میں ہمارے سامنے آئی اس وقت ان کا پھیلاؤ زیادہ ہے۔ بہرحال جو چیز ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت پاکستان کی جماعتوں سے ان کی

مالی قربانی اگر زیادہ نہیں تو برابر ضرور ہو گی وہ ہم سے بہت پیچھے (یعنی ۱۹۴۵ء میں) آئے اور اب وہ ہم سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے پہلو بہ پہلو تو وہ اس وقت تک پہنچ چکے ہیں۔

اس سال (مجھے فکر تو نہیں لیکن میرا فرض تھا کہ میں جماعت کو توجہ دلاتا البتہ) نظارت بیت المال کو فکر تھی کہ بجٹ کے مطابق چندے اتنے نہیں آ رہے جتنے اس وقت تک آنے چاہئے تھے۔ میں نے ان کو ایک دن سمجھایا تھا کہ فکر نہ کرو ملک میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پہلی بار انتخابات ہو رہے ہیں ایک ہنگامہ بپا ہے۔ ذہنوں میں ایک ہیجان ہے۔ گو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چندوں کی ادائیگی میں کمی لوگوں کی سستی کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن بہرحال کچھ توجہ انتخابات کی طرف بھی ہو گئی ہے۔ اب جب ہم ان سے فارغ ہوں گے تو پھر ایک ردعمل پہلے سے زیادہ شدید ہو گا اور وہ ردعمل پیدا ہونا چاہئے ورنہ جماعت پر ایک دھبہ لگ جاتا ہے۔

اس وقت بجٹ کے لحاظ سے جتنی آمد ہونی چاہئے اس سے قریباً پانچ، ساڑھے پانچ لاکھ روپے کم آمد ہوتی ہے اور دو لاکھ سے زیادہ موصیوں کا حصہ آمد کم ہے۔ اب جس دل نے انتہائی پیار کے ساتھ اپنی آمد کا دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا ہے، اُس پر ہم بدظنی تو نہیں کر سکتے البتہ کئی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ ایک چھوٹی سی مجبوری بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیتی ہے۔ بعض دفعہ ایک بالکل معمولی رسی سے گھوڑے کا پاؤں باندھ دیا جائے جسے وہ ایک ذرا سی حرکت سے توڑ سکتا ہے لیکن گھوڑا اپنے آپ کو بندھا ہوا محسوس کرتا ہے۔ بعض دفعہ انسانوں کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے لیکن یہ کیفیت بہرحال دور ہونی چاہئے اور انشاء اللہ دور ہو گی۔

۳۰، ۳۱؍جنوری اور پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں فروری کے یہ سات دن مَیں اِس وقت مقرر کرتا ہوں۔ یہ دن عملاً بیدار ہو کر اس بات کے ثابت کر دینے کے لئے ہیں کہ عارضی طور پر اونگھ آ گئی تھی۔ نہ سوئے اور نہ موت وارد ہوئی۔ موت کا تو یہاں سوال ہی نہیں لیکن سوئے بھی نہیں تھے البتہ اونگھ تو اچھے ہوشیار آدمی کو بھی آ جاتی ہے۔ بعض دفعہ رات کو تہجد پڑھنے والا بھی اگر تھکا ہوا ہو تو اُسے بھی اُونگھ آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کا دماغ ہی کچھ ایسا بنایا ہے۔

موصیوں کے حصہ آمد میں جو کمی ہے اس کے لئے تو میں موصیوں کی تنظیم کو ذمہ وار قرار دیتا ہوں جن کے سپرد یہ کام ہے انہیں پتہ کرنا چاہئے کہ یہ کمی کیوں واقع ہوئی ہے پس موصیوں کا بقایا بھی نہیں رہنا چاہئے۔ باقی دو تین لاکھ روپے کی رقم ہے اس وقت خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہ کوئی ایسی رقم نہیں اس میں پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں۔

میں نے پہلے بھی ایک دفعہ کہا تھا کہ جس وقت خدا تعالیٰ کے حضور کوئی عملی قربانی پیش کی جاتی ہے اس وقت سے اس پر ثواب شروع ہوتا ہے۔ آپ دو مہینے ثواب سے محروم رہے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل اور رحم فرمائے۔ بہرحال غلطی ہوئی ہے اب ہمیں زیادہ دیر تک محروم نہیں رہنا چاہئے بلکہ یہ عزم کر لینا چاہئے کہ ہم نے ان بقایا جات کو پورا کرنا ہے۔

آپ نے سال رواں کے لئے کام کے جو منصوبے مشاورت کے موقع پر باہمی مشورے سے منظور کئے تھے اور ان کاموں کے کرنے کے لئے جس رقم کی آپ نے ضرورت محسوس کی تھی اور جس کے مطابق آپ نے بجٹ بنایا تھا، وہ بجٹ پورا ہونا چاہئے ورنہ وہ کام نہیں ہوسکیں گے۔ پھر اگلی مشاورت کے موقع پر عہدیدار آ کر یہ نہیں کہیں گے کہ اُن سے سستی ہوگئی۔ انہوں نے احباب جماعت کو یاددہانی نہیں کرائی بلکہ وہ یہ کہیں گے کہ یہ کام کیوں نہیں ہوا؟ وہ یہ نہیں سوچیں گے کہ اس کام کے لئے اتنے روپے کی ضرورت تھی جب تک وہ روپیہ مہیا نہ ہو وہ کام کیسے ہوسکتا ہے؟

بہرحال میں اپنی طبیعت کے لحاظ سے یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے اس تفصیل میں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ (طبیعت سے مراد بیماری نہیں بلکہ فطرت ہے بیماری میں تو مجھے جتنی توفیق ملے گی بولوں گا) اس واسطے کہ مجھے پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بشارت بھی دی اور آپ سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ میں تجھے مخلصین کی ایک جماعت دوں گا، جو ساری دُنیا میں اسلام کو غالب کرنے کی اس مہم کو کامیابی سے چلائے گی۔ یہ تو انشاء اللہ ہو کر رہے گا لیکن کبھی دوسرے لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کبھی ہمارے دلوں میں ایک وہم سا پیدا ہو جاتا ہے کیوں آپ وہم پیدا کر کے مجھے پریشان کرتے ہیں! تھوڑی سی رقم ہے سُستی دُور کریں اور رقم ادا کریں تا کہ ہم اپنے کام کریں اور

آگے بڑھیں۔ انشاء اللہ۔

خدا تعالیٰ آپ کو اتنا مال دے رہا ہے کہ آپ اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے اور پھر وہ آپ کو مالی قربانی کی توفیق بھی دے رہا ہے اور آپ سے اس کا یہ وعدہ ہے کہ وہ آپ کو اجرِ عظیم دے گا اور وہ اپنا وعدہ پورا بھی کر رہا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ اولاد اور اموال تو امتحان ہیں۔ دُنیا کے امتحان کے نتیجہ میں تو ذرا ذرا سا انعام ملتا ہے مثلاً ایک آدمی ایم۔اے پاس کر لیتا ہے لیکن یہ چھوٹا سا انعام ہے کیونکہ بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو انعام صرف اتنا ملتا ہے کہ ایم اے کی ڈگری مِل جاتی ہے لیکن حکومت ان کے لئے نوکری کا سامان نہیں کرتی۔ وہ چھوٹا سا انعام یعنی ڈگری لے کر پھر بھی پریشان پھر رہے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں سے تو یہ سلوک نہیں ہوتا وہ تو صرف پاس ہی نہیں کرتا، وہ صرف رحیم ہی نہیں ہے، صرف استحقاق ہی پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنَ بھی ہے۔ ہر چیز اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب استحقاق پیدا کرتا ہے تو ساتھ یہ بھی کہتا ہے، یہ لو اور دُنیا حیران ہے اور ہم اپنے پیارے رب کے پیارے جلوؤں کو دیکھ کر خوشی سے اپنی زندگی کے دن گزار رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ میں تمہیں دُنیا کی طرح اجر نہیں دوں گا بلکہ میرا اجر تو اجرِ عظیم ہے۔ (عظیم عربی لغت کے لحاظ سے اس عظمت کو کہتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی عظمت نہ ہو) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو اجر میں نے دینا ہے، اس سے بڑھ کر اجر تمہیں کہیں اَور نہیں مل سکتا پس یہ عظیم اجر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور یہ عظیم اجر ہے جسے ہم عملاً اللہ تعالیٰ سے وصول کر رہے ہیں اور جس پر ہم خوش ہیں۔

پس اس اجرِ عظیم کے حصول میں اپنی سُستیوں کے نتیجہ میں وقتی طور پر کمی کیوں پیدا ہونے دیں۔ جس طرح ایک اونگھنے والے آدمی کو جھٹکا لگتا ہے اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بیدار ہو جاتا ہے میں بھی ویسا ہی ایک ہلکا سا جھٹکا آج لگانا چاہتا ہوں تا کہ آپ بیدار ہو جائیں اور کمی کو پورا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ہر روز زیادہ سے زیادہ بڑی قربانیاں پیش کرنے کی توفیق دے اور مجھے بھی اس کی توفیق دے۔ اس کے فضل کے بغیر یہ توفیق بھی نہیں ملتی۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۵ نومبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۳ تا ۵)